محمد نوید*

انور سجاد کا غیر مطبوعہ اردو اسٹیج ڈراما "ایک تھی ملکہ": متنی و علامتی جائزہ

Abstract:

***Ēk thī Malikā*: An Unpublished Stage Drama of Enver Sajjad—Textual and Symbolic Analysis**

Enver Sajjad is well-known in the Urdu world as a short story writer, novelist and a playwright. He served as the first chairman of the Alhambra Arts Council (1973-1975) and recieved the Pride of Performance award in 1989. This article presents an analytical study of his first—yet unpublished—stage drama, *Ēk thī Malikā*. It reveals him as a unique stage drama writer whose symbolism ranges from social evils on one end to political oppression on the other. Through his unique style, he innovated the genre on many levels and presented a complete picture of his times despite limited resources.

Keywords: Urdu Stage Drama, Pakistani Urdu Stage Drama, Modern Urdu Drama.

انور سجاد (۱۹۳۵ء-۲۰۱۹ء) افسانہ نگار، ناول نگار اور ٹی وی ڈراما نگار کی حیثیت سے اردو زبان و ادب میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ادبی نگارشات کے علاوہ رقص، موسیقی، اداکاری اور مصوری جیسے فنون لطیفہ سے ان کی عملی وابستگی بھی ان کی

انفرادیت ہے۔قیامِ پاکستان(۱۹۴۷ء) کے فوراً بعد الحمرا لاہور آرٹس کونسل فنون لطیفہ کے فروغ کے سلسلے میں ایک اہم ادارے کے طور پر وجود میں آیا۔فنون لطیفہ اور ادائیہ فنون کے فروغ کے سلسلے میں الحمرا لاہور آرٹس کونسل نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ انور سجاد بھی اس ادارے کی محفلوں کو رونق بخشتے رہے۔۸۔ اگست ۱۹۷۳ءمیں وہ اس ادارے کے پہلے صدر نشیں منتخب ہوئے اور ۱۹۷۵ءمیں انتظامی طور پر تومستعفیٰ ہو گئے لیکن الحمرا لاہور آرٹس کونسل سے ان کی وابستگی آخری دم تک رہی ۔انور سجاد جب تک الحمرا لاہور کے صدر نشیں تھے، ان کا اپنا لکھا ہوا کوئی اسٹیج ڈراما الحمرا لاہور آرٹس کونسل میں پیش نہیں ہوا لیکن بعد میں ان کے تین اسٹیج ڈرامے ایک تھی ملکہ(۲۱مئی ۱۹۸۱ء)،خطرۂ جان(۱۹۸۱ء)[1]اورمیری جان (۷ دسمبر ۱۹۸۶ء)[2] پیش ہوئے۔ انور سجاد نے اپنے مضمون'' میرا عہد'' میں ایک تھی ملکہ کا ذکر کیا ہے کہ''ایک تھی ملکہ فیض احمد فیض (۱۹۱۱ء۔۱۹۸۴ء) کے زمانہ میں پیش کیا گیا[3]۔''الحمرا لاہورآرٹس کونسل کے ریکارڈ کے مطابق فیض احمد فیض ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۲ء تک سیکرٹری کے عہدے پر فائز رہے۔انور سجاد الحمرالاہور آرٹس کونسل کے پہلے صدر نشیں ۸ اگست ۱۹۷۳ء میں منتخب ہوئے اور ۲۶ اپریل ۱۹۷۵ءکو ان سے جبری استعفیٰ لیا گیا[4]۔اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انور سجاد کا یہ کھیل پہلی بار الحمرالاہور آرٹس کونسل میں فیض احمد فیض کے زمانے(۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۲ء) میں پیش کیا گیا تھا۔

میرے پیشِ نظر ایک تھی ملکہ کا وہ سکرپٹ(Script) ہے جو انور سجاد کے ہاتھ سے لکھا ہوا باریک لکھائی میں بڑے سائز کے ۴۲ صفحات پر مشتمل ہے ۔اس مسودے پر انور سجاد کے دستخط کے ساتھ ۲۱مئی ۱۹۸۱ء کی تاریخ درج ہے لیکن الحمرالاہور کے اسٹیج پر اس کھیل کی یہ تیسری پیش کش ہے۔اس کھیل کے زیر نظر مسوّدے کے سر ورق پر انور سجاد نے پہلے اس کا عنوان ایک تھا بادشاہ لکھا، پھر اسے قلم زد کیااور نیا عنوان ایک تھی ملکہ رکھا ۔انور سجاد کا یہی کھیل کراچی آرٹس کونسل میں ایک دفعہ کا ذکر ہے (*Once upon a time*) کے عنوان سے ۲۰۰۵ء میں بھی پیش ہوا ۔کراچی آرٹس کونسل میں پیش ہونے والے کھیل کے ٹائپ(type) شدہ مسوّدے کے متن میں کسی طرح کا ترمیم و اضافہ نہیں کیا گیا۔

ایک تھی ملکہ تین ایکٹ پر مشتمل ایک فارس(farce) ہے جو علامتی سطح پر ایک طنز ہے ۔اس کھیل میں اقتدار کو موضوع بنایا گیا ہے کہ اقتدار کے حصول کے لیے لوگ کیا کیا کرتے ہیں اور صاحبِ اقتدار کرسیوں پر بیٹھ کر کیا گل کھلاتے ہیں ۔ اس میں سیاسی صورت حال ایک لحاظ سے دل چسپ بھی ہے کہ ملکہ کو ایک علامت کے طور پر استعمال کر کے ایک ایسا ماحول پیدا کر کے بات کہنے کی جگہ بنا لی گئی ہے جو مقتدر طبقوں کی سوچ اور عمل کی عکاسی کرتی ہے۔اس کھیل میں کہانی کا زمانہ غیر متسلسل (nonlinear time) انداز میں پیش ہوا ہے ۔کھیل کا آغاز زمانہ حال میں ہوتا ہے ۔پھر بادشاہ اپنے

محل میں ایک فارس پیش کرتا ہے۔ جس کو ڈراما نگار نے ''ایک دفعہ کا ذکر ہے'' سے شروع کیا ہے ،مقام: ''کہیں بھی لیکن اسی کرۂ ارض پر'' خاصا معنی خیز ہے۔ اس ڈرامے میں خودکلامی (monologue) کی تکنیک (teachnique) استعمال کی گئی ہے۔ جس سے اس کھیل کے کرداروں کے خفیہ عزائم ظاہر ہونے کے ساتھ ساتھ ڈرامے کے ناظرین کو براہ راست یہ کردار اپنی جانب متوجہ کرتے اور ڈرامے میں شامل کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے ناظرین کی ڈرامے میں دل چسپی مزید بڑھتی ہے۔ اس کھیل میں خارجی تصادم (external conflict) سے سیاسی صورت حال کو پیدا کیا گیا ہے۔ کرداروں کی کشمکش کے پس منظر میں اپنے عہد کے سیاسی حالات و واقعات (۱۹۵۸ء کا مارشل لا) کو پیش کیا گیا ہے۔

انور سجاد نے اس کھیل کے کرداروں کے ذریعے نظام حکومت کے پُرزوں اور تخت و تاج کے پجاریوں پر طنز کیا ہے کہ سیاست اور اقتدار میں تخت کی ہوس اتنی خطرناک ہوتی ہے کہ وہ ملک، قوم ، مذہب ، انسانیت اور اخلاقیات کسی چیز کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتی۔ آرٹ ،کلچر ، تہذیب و ثقافت سب دکھاوا ہیں۔ اقتدار کی کرسی پر بیٹھے لوگ شوپیس (showpiece) کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ کردار آج کے دور میں بھی ہماری سیاسی صورت حال کا ایک منظر نامہ پیش کرتے ہیں۔ ان کے کرداروں میں اقتدار حاصل کرنے کی منصوبہ بندی اور ہوس جاہ و منصب ذرا ملاحظہ کیجیے :

طبیب: یہ ایک بہت سنجیدہ فیصلہ ہے ۔ میرا خیال ہے ہمیں چند منٹوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ،علیحدگی میں سوچنا چاہیے اور اس سوچ کو نشتروں سے کریدنا چاہیے۔ ہم بعد میں پھر اسی جگہ ملیں گے اور دیکھیں گے کہ ہمارا آپس میں اتفاق رائے بھی ہے یا نہیں ۔

وزیر اعظم: ٹھیک..... (کاہن اور طبیب پرے جا کر سوچ میں ٹہلنے لگتے ہیں) ایک مرتبہ بادشاہ راستے سے ہٹ جائے تو پھر میں محل میں وہ اصلاحات نافذ کروں گا کہ رہتی دنیا تک قائم رہیں گی ۔محل میں ثقافت تو نام کو نہیں ، بدتہذیب اکٹھے ہو گئے ہیں۔ سارے کے سارے..... بادشاہ نہیں جانتا کہ بادشاہ ہمیشہ ان ثقافتی ورثوں سے جانے جاتے ہیں جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں ۔ سب سے بڑی بات یہ کہ میں سیاحت کے فروغ کے لیے اہرام مصر سے الحمرا محلات تک سب کچھ یہاں لا کر اکٹھا کر دوں گا تاکہ tourists کہیں اور جا ہی نہ سکیں ۔ آئندہ نسلیں مجھے شہنشاہِ ثقافت کے طور پر جانیں گی ۔

طبیب: (خودکلامی) شاہی طبیب کی حیثیت سے میری انگلیاں سب کی نبضوں پر ہیں اور ملکہ تو میری شاگرد بھی ہے ۔ میرے لیے لاشوں کا پوسٹ مارٹم تو وہی کرتی ہیں۔ شاہی خزانہ سائنسی تجربات پر لٹا دوں گا۔ پیشہ طب چھوڑ کر ادویات کی فیکٹریاں لگاؤں گا ۔ اچھا بزنس ہے ۔ طب میں کیا پڑا ہے۔ لوگوں کو بالآخر مرنا تو ہوتا ہی ہے ۔

کاہن: (خودکلامی) ہر شخص کی طرح کہ جسے تعلیم حاصل کرنے کے لیے درس گاہ میں جانا پڑتا ہے۔ مجھے بھی جانا پڑا ، میں ہر جماعت میں کئی کئی بار فیل ہوا، یہ کوئی نہیں جانتا کہ مجھے دہریت میں پی ایچ ۔ ڈی تنگ آ کر دی گئی تھی ۔ ہاں البتہ جو چیزیں

میں نے انتہائی لگن سے سیکھیں، وہ تھی مشروبات کا استعمال (بوتل سے گھونٹ بھرتا ہے) جب بادشاہ نے کہا کہ مجھے کاہن معبد منکرانِ خدا چاہیے لہٰذا جو بھی گداگر تمھیں شہر میں سب سے پہلے داخل ہوتا نظر آئے پکڑ لاؤ..... دربار کے مخبر مجھے پکڑ کے لے آئے ..... جب میں ہوش میں آیا تو مجھے یقین تھا کہ میں خالقِ حقیقی سے جا ملا ہوں اور اب میری خیر نہیں۔ بہر حال تب سے میں دہریت کا پرچار کر رہا ہوں اور حرام ہے جو کسی کو قائل کر سکا ہوں۔ جس طرح یہ لوگ ایک دوسرے کے پیچھے پڑے ہیں، مجھے یقین ہے جب قتال ختم ہوگا تو میں تنہا باقی رہ جاؤں گا..... اور میں..... بادشاہ !..... [۵]

ان کرداروں کے ذریعے ڈراما نگار نے طنزیہ انداز میں بتایا ہے کہ اقتدار ایک اندھی اور بہری قوت ہے ۔ ہمارے ہاں بادشاہت اور اختیارات نااہلوں کا مقدر بنتے ہیں جن کے تمام فیصلے غلط ہوتے ہیں ۔

اس کھیل میں بادشاہ کو نہ تو ملک کی گرتی ہوئی معیشت کی کوئی فکر ہے اور نہ ملکی سالمیت کی، فکر ہے تو صرف اپنے تاج وتخت کی جسے وہ چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ ڈراما نگار نے اس کھیل کے ذریعے دکھایا ہے کہ ایک بادشاہ اگر عدل و انصاف اور اچھائی کے رستے پر چلے تو اُس کی بادشاہت کامیاب نہیں ہوسکتی لہٰذا اُسے سازشی ہونا چاہیے ۔ اپنے اطراف سے چوکنا رہتے ہوئے ہر وقت باخبر رہنا چاہیے کہ کہیں اُس کے تخت کو کوئی اُس سے چھین نہ لے۔ اُسے کسی بھی فرد پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ بادشاہ نے اس مقصد کی خاطر ایک مخبر کو مقرر کر رکھا تھا جو پل پل کی خبر بادشاہ تک پہنچاتا تھا۔ جب اُس کی لاش ملنے پر دربار میں سب حیران ہوتے ہیں کہ اسے کس نے قتل کیا تو بادشاہ کے مکالمے ملاحظہ کیجیے:

بادشاہ: بالکل ۔ کسی نے تو اسے مارا ہے۔ (سب گھوم کر اسے دیکھتے ہیں۔ حیران) شام بخیر۔ تخت کے دعوے داران ۔ تم سب کے لیے ایک نصیحت ۔ ایک بادشاہ کو پتا ہوتا ہے کہ مخبر کی اطلاعات بادشاہ سے زیادہ ہوتی ہیں لہٰذا میں نے مخبر پر ایک اور مخبر مامور کر رکھا تھا..... ایک اچھا بادشاہ یہ جانتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی محلاتی سازش کا کبھی نہ کبھی ضرور شکار ہوگا ۔ بادشاہ سازش کا مرکز ہوتا ہے۔ جب کسی بادشاہ کے ذہن سے یہ بات نکل جاتی ہے تو فوراً مر جاتا ہے۔ مجھے فنا نہیں ۔ محض اس لیے کہ میں جانتا ہوں تم سب میرے تخت وتاج کے پیچھے پڑے ہو۔ لاؤ ۔ میرا تاج مجھے واپس کر دو[۶] ۔

بادشاہ کو اس کھیل میں ایسا دکھایا گیا ہے جو ایک ناخواندہ اور جاہل شخص کو کاہنِ اعظم بنا دیتا ہے اور ایک چالاک و مکار شخص کو وزیرِ اعظم کا رُتبہ عطا کرتا ہے۔ اُس کا ذوقِ سلیم سے کوئی تعلق نہیں ، آرٹ ، ثقافت اور موسیقی سے کوئی رغبت نہیں ۔ مثلاً:

بادشاہ: میں نے تمھیں مدت سے نہیں دیکھا نوجوان ۔ موسیقی سے مجھے کبھی شغف نہیں رہا۔ میں اینٹی میوزک ہوں ۔ ہماری عمر میں مجھے اور ملکہ کو ناچ گانے سے کیا دل چسپی ہوسکتی ہے...... تم آتش بازی کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔؟

موسیقار: آتش بازی ؟ عالم پناہ؟

بادشاہ: ہوں۔مہمانوں کے تفننِ طبع کے لیے۔ مجھے بچپن ہی سے آتش بازی کا بہت شوق رہا ہے۔دھماکے کی چیزیں شعلوں میں چنگاریوں میں جلتی بجھتی ہوئی۔ پٹاخے ۔ہوائیاں۔شور شرابا۔ٹھوں ٹھاہ۔تمھاری موسیقی سے کہیں زیادہ سریلا۔میں چاہتا ہوں یہ پارٹی ایک Bang کے ساتھ اختتام پذیر ہو۔

موسیقار: لیکن عالم پناہ۔آتش بازی کے بارے میں میرا علم بہت ناقص ہے۔

بادشاہ: تو آج شام تک اس علم پر عبور حاصل کر لو۔اور سنو،یہ راز ہے۔میں چاہتا ہوں یہ آتش بازی والا سلسلہ ذرا سرپرائز رہے۔سارا سامان میں تمھیں مہیا کروں گا .....میری مانو تو یہ موسیقی کا پیشہ چھوڑ دو۔میری سلطنت میں یا کم از کم میرے دربار میں اس کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔

انور سجاد بنیادی طور پر ذوقِ جمالیات کے حامل فنکار تھے ۔وہ صدا کار،اداکار،ماہر رقاص، بہترین مصور، افسانہ نگار، ناول نگار، ٹیلی ویژن ڈراما نگار اور تھیٹر سے بیک وقت وابستہ تھے۔چوں کہ وہ خود فنونِ لطیفہ کی ان تمام اشکال سے وابستگی رکھتے تھے لہٰذا اس امر کے بھی حامی تھے کہ جس طرح دنیا بھر کے ترقی یافتہ ممالک یا بین الاقوامی سطح پر دنیا کی زندہ اقوام اپنی تہذیب، ثقافت اور فنونِ لطیفہ کو اہمیت دیتی اور انھیں اپنی پہچان بناتی ہیں۔ ہمارے یہاں بھی اربابِ اختیار اور اقتدار کے حامل افراد کو اپنے ملک کے فنکاروں کی قدر کرنا چاہیے اور اپنے لوک ورثے اور اپنی ثقافت کو محفوظ کرنے کی جانب توجہ دینی چاہیے۔بحیثیت ایک فنکار اُنھوں نے اداکاری ،موسیقی اور آرٹ کی تمام اشکال کے لیے احترام اور توقیر کا احساس اُجاگر کیا ہے۔

اس کھیل میں بادشاہ کو ظالم اور بے رحم دکھایا گیا ہے۔کیوں کہ جس میں مکاری ،چالاکی اور بے رحمی کی صفات پائی جائیں، وہی نظامِ حکومت سنبھال لیتا ہے جیسا کہ اس ڈرامے کے اختتام پر معذور ولی عہد شہزادہ اور اُس کی خدمت پر مامور کنیز جو کہ پہلے بادشاہ کی ملکہ بن کر اقتدار پر قابض ہونے کی خواہش مند تھی،دبے پاؤں آتے ہیں۔معذور ولی عہد شہزادہ اپنی بیساکھی مار کر بڑی بے رحمی سے بادشاہ کو ہلاک کر دیتا ہے اور وہ دونوں اقتدار پر قبضہ کر لیتے ہیں۔صاف ظاہر ہے کہ مکار کنیز ہی ولی عہد شہزادے کو بادشاہ کے قتل پر اُکسانے میں اور اُسے اپنی ملکہ بنانے پر تیار کرتی ہے اور احمق اور معذور نیا بادشاہ کسی بھی قسم کے فرمان جاری کرنے کے قابل نہیں لہٰذا اصل حکومت کنیز کی ہو گی۔ڈراما نگار نے طنز کے ذریعے اقتدار کی غلام گردشوں اور ہمارے نظامِ حکومت میں موجود ایسی تمام

خرابیوں کا اظہار کیا ہے۔انور سجاد بنیادی طور پر جبر اور استحصال دشمنی کے قائل تھے۔اُن کے افسانوں اور ناولوں میں بھی طبقاتی سماج کی تبدیلی،مساوات اور انسانی حقوق کا حصول اور ہر قسم کے جبر اور استحصال سے نجات کی آرزو کا اظہار ملتا ہے۔اس ڈرامے میں بھی طنز و مزاح اور ڈرامائی واقعاتی مزاح کے ذریعے وہ نا اہل صاحب اقتدار حکمرانوں کی اصلاح کے خواہش مند ہیں کہ اقتدار کی کرسیوں پر براجمان حکمرانوں کو عوام الناس کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنا چاہیے۔عدل و انصاف کو حکومت کی بنیاد بنانا چاہیے اور اپنی ملکی تہذیب و ثقافت ،تعلیم اور قانون کو بہتر نمونے کے طور پر استعمال کرنا چاہیے۔

اس ڈرامے میں انور سجاد نے ملکی مایوس کُن سیاسی صورت حال ،جبریت، جنگ کے خوف،طبقاتی کشمکش ، انسانی اخلاقی اقدار کے زوال ،منافقت و ریا کاری اور انسان کی مفاد پرستی ،ہوس و لالچ کو علامتیت کا سہارا لے کر اُبھارا ہے۔

ان تمام کرداروں کی زبان درباری نہیں لیکن ان کا مزاج درباری ہے ۔ڈرامے میں اردو اور انگریزی کے ملاپ سے خوب صورت زبان لکھی گئی ہے،جس میں علامت،استعارہ اورتشبیہات کو استعمال کیا گیا ہے ۔طویل مکالمے بھی انتہائی دل چسپ ہیں۔ان کا بات کرنے کا انداز بہت دل چسپ ہے ۔ ہر کردار اپنی لسانی انفرادیت رکھتا ہے ۔ بادشاہ کا نام انگریزی زبان کا لفظ''ٹونی '' رکھا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ ڈرامے میں انگریزی زبان کے الفاظ کثرت سے استعمال کیے گئے ہیں جیسے نائٹ گاؤن(night gown)،یور ہائی نس(your highness)،سکینڈل(scandal)، اینٹی میوزک(antimusic)، ایجنٹ(agent)،میڈیکل سرٹیفکیٹ(medical certificate)،آرٹ(art)،سوشل سائنسز(social sciences)،سینس(senses)،ہوپ لیس کیس(hopeless case)،رومینٹک(romantic)، پارٹی(party)،بینگ(bang)،سک لیو(sick leave)وغیرہ۔

انور سجاد کے اس ڈرامے کا اسلوب خاصا دل چسپ ہے ایک طرف تو قدیم و جدید دور کی یک جائی اور دوسری جانب اُردو اور انگریزی زبان کا ملاپ،طنز اور مزاح کی چاشنی اور اس کھیل کی بنیاد میں انور سجاد کا بنیادی مقصد نظامِ حکومت کی اصلاح ہے۔ڈرامے کے مکالمے انتہائی جان دار اور چست ہیں اور ان میں نہایت لطیف طنز و مزاح موجود ہے۔

وزیر: جان کی امان پاؤں تو۔

بادشاہ: جان کی امان پانے میں تم لوگ سلطنت کا آدھا وقت ضائع کر دیتے ہو ۔کہو۔

وزیر:لیکن عالم پناہ قاضی غیر حاضر ہے۔

بادشاہ: اس کی طبیعت ناساز ہے اور اس نے ہمیں.....؟ کرنے کی درخواست کی ہے ۔قاضیوں کا پینل ہم نے اس لیے مقرر نہیں کیا کہ اس سے رعایا کا سرمایہ ضائع ہوتا ہے۔تم الزامات پڑھو۔

وزیر: (نعرہ لگاتا ہے) بادشاہ سلامت

باقی سب: سلامت رہے۔

وزیر: تاجِ سلطنتِ تاج دار بنام کاہن معبدِ منکرانِ خدا۔الزام لگایا جاتا ہے کہ کاہن کفر کے کلمات کہنے کا مرتکب ہوا ہے۔ چشم دید گواہوں کا کہنا ہے کہ ملزم کھلے بندوں یہ اعلان کرتا پھرتا ہے کہ ایک ایسی الوہی طاقت کا وجود ہے جو ایک ہے جو سب سے اعلیٰ اور برتر ہے وہ جو چاہتا ہے، ہوتا ہے۔یعنی مختصراً یہ کہ خدا کا وجود ہے۔تاجِ سلطنت یہ ثابت کرسکتا ہے کہ اس نے یہ الفاظ بارہا کہے۔''اگر خدا ہوا تو؟'' خواتین وحضرات ،درباریانِ عوام و خاص۔مردود نے یہ الفاظ کہے۔سوچیے کہ یہ شخص عالم پناہ اور سلطنتِ تاج دار کا کتنا بڑا باغی ہے۔کتنا بڑا کافر ہے۔آستین کا سانپ ہے ،اور بادشاہ: بس۔زیادہ زورِ خطابت کی ضرورت نہیں۔تم ہر موقع پر خودنمائی کے شوقین ہو۔اس کا جرم ثابت ہو چکا ہے ۔کیا تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو۔

ملکہ: (طبیب سے جیسے کان میں) صفائی کے بعد کیا صفائی ہو گی۔لیکن ضابطے کی کارروائی بھی ضروری ہے۔

طبیب: اس صفائی کے بعد عالم پناہ سے درخواست کریں کہ اس کی لاش ہمیں سائنسی تجربات کے لیے دے دیں۔

بادشاہ: بولو ۔کافر کاہن۔کچھ کہنا چاہتے ہو۔(کاہن کی سمجھ میں نہیں آتا کیا کرے)

وزیر: کاہن ۔میرا پہلا سوال تم سے یہ ہے کہ۔

بادشاہ: یار کیوں بور کرتے ہو وزیر اعظم ۔تم بہت سُست ہو۔میں خود سوال کروں گا۔بولو کاہن تم اقرار کرتے ہو کہ تم مجرم ہو۔

کاہن: مجھے معلوم نہیں عالم پناہ۔میں تو سویا رہتا ہوں۔

بادشاہ: چوں کہ تم اپنے جرم کی صحت سے انکار نہیں کرتے، اس لیے تمھارا جرم ثابت ہے۔اگر تم انکار کر بھی دو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ہم سب جانتے ہیں کہ تم مجرم ہو۔اچھا اب آف دی ریکارڈ بتاؤ کہ اس قسم کے کفر کے کلمے کہنے سے تمھارا مقصد کیا ہے کہ اگر خدا ہوا تو۔کیا اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم کسی غیر مرئی طاقت کے حوالے سے میری اتھارٹی کو بطور بادشاہ یعنی مجھے کسی کے تھلے لگانا چاہتے ہو۔

....

بادشاہ: تو پھر تم چاہتے کیا ہو۔؟

کاہن: اس وقت دوگھونٹ مشروب ،پھر قیلولہ۔میں صبح سے sick leave پر جانے کی کوشش میں تھک گیا ہوں اور اب یہ مقدمہ۔

بادشاہ: لیکن خدا۔؟ یہ لفظ تمھاری زبان پر آیا کیسے؟

کاہن: پتہ نہیں ۔خدا ہی جانتا ہے۔اس لفظ سے ہر وہ دھند چھٹ جاتی ہےجس کے پیچھے نظر کچھ نہیں آتا۔

بادشاہ: میرے پلے تو کچھ نہیں پڑا۔

کاہن: میرے پلے بھی کچھ نہیں عالم پناہ......میں تو بس یہ سوچتا ہوں ۔اگر وہ ہوا تو۔

بادشاہ: وہ مشروب جوتم بیماری کے بہانے پیتے رہتے ہو، چھوڑ دو۔شاہی طبیب تم اس مشروب کے مضر اثرات بتاؤ۔

طبیب: مجھے آپ سے مکمل اتفاق ہے عالم پناہ۔یہ موذی مشروب ،دراصل شرابِ معرفت ہے کہ اسے غلط راستے پر لے گیا ہے۔اس پر دیوانگی کے دورے پڑتے ہیں۔اس مشروب نے اس کے دماغ کے خلیے بے کار کر دیے ہیں[۸]۔

ڈراما نگار نے بادشاہ کو انتہائی مغرور ومتکبر دکھایا ہے جو طاقت کے نشے میں خود کو مطلق العنان خدا سمجھ بیٹھا ہے اور پوری کائنات کو اپنے تابع قرار دیتا ہے۔کاہن اُسے حیرت سے دیکھتا رہ جاتا ہے۔اچانک بادشاہ کو زور دار چھینکیں آنے لگتی ہیں جو روکے نہیں رُکتیں تو کاہن فاتحانہ انداز میں کہتا ہے اگر آپ کا اختیار ہے تو چھینکیں روک کر دکھایئے۔انور سجاد ترقی پسندیدیت کے تحت آمرانہ اور ظالم و جابر استعماریت کے مخالف تھے لہٰذا مزاح پر غالب آتے طنز کے ذریعے اُنھوں نے طاقت کے نشے میں چُور آمرانہ نظام کی نمائندگی بادشاہ کے کردار کے ذریعے کی ہے۔

اس کھیل میں بادشاہ کے محل کا سیٹ استعمال کیا گیا ہے ۔ اس سیٹ کو دوحصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تین چوتھائی حصہ دربار ہے اور ایک چوتھائی دربار سے ملحقہ احاطہ ہے ۔ دربار کا بڑا دروازہ پچھلی دیوار میں ہے ۔ ایک دروازہ احاطے میں کھلتا ہے ۔اس کے سامنے کی دیوار میں ایک دروازہ محل کے اندرون میں کھلتا ہے ۔ دربار میں چھوٹے سے پلیٹ فارم پر دو شاہی کرسیاں ہیں جو تخت کے طور پر استعمال ہوئی ہیں ۔ ایک کرسی بادشاہ کے لیے اور دوسری ملکہ کے لیے۔ ایک طرف کو دیوان پڑا ہے،جس پر بادشاہ جب تھک جاتا ہےتو آرام کرتا ہے۔تخت اور دیوان کی حالت خاصی بوسیدہ ہے ۔کرسی کی پشت پر بادشاہ کا تاج لٹکا ہے۔ ملکہ والی کرسی کے ساتھ ایک میز ہے۔جس پر شطرنج رکھی ہے۔ احاطہ جو کہ پائیں باغ بنتا بنتا رہ گیا ہے، خاصی خستہ حالت میں ہے ۔ دو چار ستون ، ایک بت ہے اور پتھر کے دو بنچ پڑے ہیں۔ پھولوں کی مصنوعی بیلیں یعنی پلاسٹک (plastic) یا کاغذ کی بنی ہیں ۔ پائیں باغ یا احاطہ (Patio) بھی دربار کی طرح خالی خالی اجڑا اجڑا سا ہے ۔ احاطہ اور

دربار کے مناظر روشنیوں کے ذریعے سے کنڑول(control) کیے گئے ہیں یعنی جہاں کھیل کا ایکشن(action) ہوا ہے اس حصے میں روشنی کی جاتی ہے ۔ باقی حصہ تاریک رہتا ہے۔بعض حالات میں دونوں جگہوں پر ایکشن بیک وقت ہوا ہے تو روشنی سے اس خاص منظر کی اہمیت واضح کی گئی ہے ۔

انور سجاد نے یہ کھیل لکھ کر اُردو اسٹیج ڈرامے کی روایت سے ، اسلوب ،تکنیک اور موضوع کی سطح پر پاکستانی اردو اسٹیج ڈرامے کو جدید ڈرامے کی صورت میں ایک بلند معیار اورایک نیا موڑ دیا ہے۔ ان کا ایک ریڈیکل(radical)انداز اور ایک ترقی پسند سوچ اور ایک مدافعانہ اندازِ نظر ہے ۔ ان کو کہنے کا ڈھنگ آتا تھا ۔ اس لیے وہ پروپیگنڈا کی سطح پر نہیں آتے ۔ ایسے کھیل جدید اردو اسٹیج ڈرامے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ایک تھی ملکہ اردو اسٹیج ڈرامے کے فروغ میں ایک اہم قدم ہے۔

انور سجاد نے ہمیشہ بات کہنے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا جو براہ راست(dircet) نہ تھا بلکہ بالواسطہ یا بین السطور میں تھا۔ انھوں نے ادبی اصناف ناول، افسانہ، ڈراما یا اسٹیج ڈراما میں اپنے خیالات کو استعاروں کی صورت میں پیش کیا۔ لائٹس(lights)، میوزک(Music) اور کاسٹیوم(costumes) کے سلیقے کے ساتھ ساتھ ان میں اپنی بات کو غیر محسوس انداز میں دوسروں تک پہنچانے کی صلاحیت بھی ہے ۔لیکن اس کے باوجود اُردو سٹیج ڈراما کی وہ روایت آگے نہیں بڑھی جو پاکستانی تجرباتی ڈرامے(experimental drama) کی صورت میں ظاہر ہوئی یا جسے ہم جدید پاکستانی اردو سٹیج ڈراما کہہ سکتے ہیں۔

انور سجاد کی تکنیک انھی تک محدود رہی ، آگے نہ بڑھ سکی۔ پاکستانی تجرباتی طرز کا تھیٹر پروان نہ چڑھ سکا۔ یہ انفرادی کوششیں تھیں لہٰذا ان کے ساتھ ہی ختم ہوگئیں ۔ اس کی ایک وجہ اُن کی ٹیلی ویژن(Television) سے وابستگی بھی تھی کہ ان کے پاس اسٹیج ڈرامے تحریر کرنے اور پھر اسے پیش کرنے کی فرصت نہیں تھی ۔ انور سجاد کا نظریاتی تعلق ترقی پسند تحریک سے تھا اور وہ یورپی اور جدیدڈرامے سے بھر پور آگاہی رکھتے تھے ۔ انھوں نے مغربی جدید ڈرامے کے فنی خصائص کو اپنے ڈراموں میں نہایت عمدگی سے استعمال کیا جیسا کہ خود کلامی کی تکنیک اور پس پردہ موسیقی وغیرہ ۔لیکن چوں کہ اسٹیج کے فن کا تعلق میسّر سہولیات سے ہوتا ہے ۔اور ۱۹۷۰ء کی دہائی میں انھیں آج کل کے زمانے کی طرح سہولتیں حاصل نہ تھیں ۔ وہ جانتے تھے کہ فن کا تعلق اسٹیج کی ضروریات سے ہوتا ہے کیوں کہ وہ آغا حشر (۱۸۷۹ء۔۱۹۳۵ء) سے لے کر اس وقت تک کے جدید ڈرامے کا مطالعہ بھی کر چکے تھے جس میں جو ابسن (Henrik Ibsen۔۱۸۲۸ء۔۱۹۰۶ء) اور بریخت(Bertolt Brecht۔۱۸۹۸ء۔۱۹۵۶ء) وغیرہ تھیٹر کو سیاسی سرگرمیوں(political activities) کے لیے استعمال کیا۔انور سجاد چوں کہ اس وقت عہد کے مسائل اور اسٹیج کی ناکافی سہولیات کا بخوبی علم رکھتے تھے لہٰذا انھوں نے سیٹ کے اندر علامتی تبدیلی کا تجربہ کیا۔ انور سجاد کے کیے گئے اس منفرد تجربے کو

آج بھی اسٹیج پر علامتی طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اب وسیع سیٹ کے بجائے چھوٹے ماڈل موٹیوز (model motives) استعمال کیے جاتے ہیں تا کہ سیٹ کے اندر تبدیلی کو ظاہر کیا جا سکے۔ موٹیوز سے پتا چل جاتا ہے کہ وہ جیل کا سیٹ ہے یا کون سی چیز ہے ۔ انور سجاد کے سٹیج ڈراموں کے حوالے سے سرمد صہبائی (پ:۱۹۴۵ء) بیان کرتے ہیں:

> انور سجاد نے فارس (farce) کو استعمال کیا ہے ۔ بلیک فارس (black farce) کو، اسے ہم ٹریجک فارس (tragic farce) بھی کہتے ہیں ۔ جس میں چیزوں کو بہت لاؤڈ (loud) اور سٹرانگ (strong) کر دیا جاتا ہے۔ یا سٹائلائزڈ (stylized) کر دیا جاتا ہے کہ وہ ریلیزم (realism) سے نکل کر سُپر ریلیزم (super realism) میں بدل جاتی ہیں اور ان کا ایک استہزائیہ لہجہ ہے جس میں وہ بات کرتے ہیں ۔ بلیک کامیڈی (black comedy) بھی جس کو کہتے ہیں ۔ انور سجاد کے سٹیج ڈراموں میں ایک تھی ملکہ (ایک دفعہ کا ذکر ہے) اور خطرہ جان میں یہ ہے۔ ان کا رائٹنگ سٹائل (writing style) اس کے وقت کے عام ڈراموں سے ہٹ کر ہے اور ایک تھی ملکہ ایک فارس ہے پاور (power) پر، سٹیٹ (state) پر، سٹیج پر انھوں نے ساٹھ (۱۹۶۰ء) کی جدید موٹی ویٹر (motivator) اور جو خیالات آ رہے تھے ان کو سٹائلائزڈ اسلوب میں پیش کیا[۹] ۔

انور سجاد اپنی توجہ سماج کے اخلاقی اور سماجی بحران سے زیادہ سیاسی اور سٹرکچرل (structural) بحران پر مرتکز کیے ہوئے تھے ۔ ان کے ڈرامے صورت حال میں (being in the situation) ہونے کی کیفیت کے مظہر ہیں ۔ پیچیدہ ، اجتماعی ، قومی اور سیاسی مسائل کے پیچیدہ علامتی تشکیل ان کی اسلوب کاری کا بنیادی وتیرہ ہے ۔

انور سجاد نظریاتی طور پر ترقی پسند نظریات کے حامل تھے اور انھیں فنون لطیفہ کے ہر شعبے سے دل چسپی تھی۔ اسی لیے انھوں نے جہاں اپنے افسانوں اور ناولوں میں مروجہ ترقی پسند روایت سے انحراف کرتے ہوئے جدیدیت کی روش کو اپنایا وہیں اسٹیج ڈرامے میں نظریاتی اور فکری جہت کے تحت تخلیق کیے ۔ ان کی بنیادی دل چسپیوں میں صدا کاری ، اداکاری، تھیٹر اور ڈرامے کا فن ہے لہٰذا انھوں نے اپنے افسانوں میں ڈرامائی اتار چڑھاؤ کی تکنیک سے بہت کام لیا۔ انھوں نے اسٹیج کی ضروریات یا ناظرین کی فرمائشوں کے تحت ڈرامے تخلیق نہیں کیے ۔ ان کے ڈرامے موضوعاتی اسلوبیاتی اور فنی حوالوں سے منفرد قرار پائے ہیں ۔ ان کے ڈرامے بھی افسانوں اور ناولوں کی مانند اُن کی نظریاتی وابستگی کے مظہر ہیں ۔ وہ اپنی توجہ سماجی یا اخلاقی بحران سے زیادہ سیاسی نظام کے بحران پر مُرتکز کرتے ہیں ۔ پیچیدہ اجتماعی ،قومی و سیاسی مسائل کی پیچیدہ علامتی تشکیل ان کی اسلوب کاری کا بنیادی انداز ہے ۔ انھوں نے اپنے اسٹیج ڈراموں میں بھی موضوعاتی تنوع کے ساتھ ساتھ سادہ بیانیہ انداز نگارش کے بجائے علامتی اور استعاراتی اسلوب کو اپنایا۔ مشرقی اور جدید مغربی ڈراموں کی تکنیکوں کو سمجھ کر حسب ضرورت انھیں برت کر

دکھایا۔تبدیلیوں سے سیٹ اسٹیج پر لگانے کے بجائے چھوٹے چھوٹے ماڈلز چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں سے سیٹ کی علامتی تبدیلی کا تجزنہ کیا۔معروضی پابندیوں کے باجود ان کے ڈراموں میں فکر اور سوچ کا گہرا رنگ علامتی انداز میں ناظرین تک پہنچتا ہے ۔

حواشی وحوالہ جات

* (پ:۱۹۷۹ء)، ریسرچ ایسوسی ایٹ، گرمانی مرکز زبان و ادب، لمز لاہور۔

۱۔ انور سجاد کے دوسرے غیر مطبوعہ کھیل خطرۂ جان کا مسودہ الحمرا لاہور آرٹس کونسل لائبریری میں موجود ہے ۔ یہ ٹائپ شدہ مسوّدہ ہے جو ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ٹائپسٹ (Typist) کا نام" سعید" اور سالِ تحریر "۱۹۸۱ء" درج ہے ۔ اس مسوّدے کے آخری چند صفحات پر انور سجاد کے قلم سے مکالمات کاٹ کر ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے۔

۲۔ انور سجاد کا تیسرا غیر مطبوعہ کھیل میری جان کا مسودہ الحمرا لاہور آرٹس کونسل لائبریری میں موجود ہے ۔جس پر ۷ دسمبر ۱۹۸۶ء کی تاریخ رقم ہے ۔یہ مسودہ انور سجاد کے ہاتھ کا لکھا ہوا، باریک قلم سے، A4 سائز کے ۵۴ صفحات پر مشتمل ہے ۔اس کے آخری صفحہ پر انود سجاد کے دستخط کے ساتھ ۷ دسمبر ۱۹۷۶ء کی تاریخ رقم ہے۔اس کھیل کے مصنف اور ہدایت کار انور سجاد تھے۔میری جان مارک کامولیٹی (Marc Camoletti۔ ۱۹۴۲ء۔۲۰۰۳ء) کے کھیل *Boeing-Boeing* (۱۹۶۲ء) سے ماخوذ ہے ۔کامولیٹی جدید فرانسیسی ڈراما نگار تھا،اس کا مذکورہ کھیل پہلی بار اپالو تھیٹر، لندن (The Apollo Theatre, London) میں پیش کیا گیا ۔

۳۔ انور سجاد، " میرا عہد"، مشمولہ الحمرا (لاہور آرٹس کونسل) کے پچاس برس پر ایک طائرانہ نظر،(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ، ۱۹۹۹ء)، ۴۴۔

۴۔ انور سجاد،" میرا عہد"، مشمولہ الحمرا (لاہور آرٹس کونسل) کے پچاس برس پر ایک طائرانہ نظر،۴۵۔

۵۔ انور سجاد، ایک تھی ملکہ (قلمی مسودہ)،(لاہور: مخزونہ، الحمرا لاہور آرٹس کونسل لائبریری ، ۱۲ مئی ۱۹۸۱ء)، ۷۔

۶۔ انور سجاد، ایک تھی ملکہ، ۱۴۔

۷۔ انور سجاد، ایک تھی ملکہ، ۱۲۔

۸۔ انور سجاد، ایک تھی ملکہ، ۱۲۔ ۱۳۔

۹۔ سرمد صہبائی ،(راقم)، (اسلام آباد: پی ٹی وی ، اسلام آباد،۲۱ مئی ۲۰۰۸ء)

مآخذ

انور سجاد۔ میری جان (قلمی مسودہ)۔ لاہور: مخزونہ، الحمرا لاہور آرٹس کونسل لائبریری ، ۷ دسمبر ۱۹۸۶ء۔

انور سجاد، ایک تھی ملکہ (قلمی مسودہ)۔ لاہور: مخزونہ، الحمرا لاہور آرٹس کونسل لائبریری ، ۱۲ مئی ۱۹۸۱ء۔

انور سجاد، خطرئہ جان (قلمی مسودہ)۔ لاہور: مخزونہ، الحمرا لاہور آرٹس کونسل لائبریری ،۱۹۸۱ء۔

انور سجاد۔ "میرا عہد"، مشمولہ الحمرا (لاہور آرٹس کونسل) کے پچاس برس پر ایک طائرانہ نظر۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء،۴۷۔ ۵۳۔

سرمد صہبائی۔انٹرویو (محمد نوید)۔اسلام آباد: پی ٹی وی ، اسلام آباد،۲۱ مئی ۲۰۰۸ء۔

مارک مولیٹی [Marc Camoletti]۔https//Len.wikipedia.org/wiki/Marc_Camoltti(playwright)۔ ۲۸ جون ۲۰۱۹ء۔